© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کسی قوم کی اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اَن گنت قیمتی جانوں کو قربان کر کے، اربوں روپے کی جائداد لٹا کر، لاکھوں بہو بیٹیوں کی عزت و ناموس کا خون کر کے اور کروڑوں بھائیوں کو ہندو سامراج کے جنگل میں دے کر اسلام کے لیے تجربہ گاہ کے طور پر ایک ملک حاصل کرے، مگر وہ ملک بدقسمتی سے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی ایک ایسے گروہ کے تسلّط میں چلا جائے جو اس خطۂ ارضی میں اُس کی قومی اُمنگوں کو آشنائے تعبیر کرنے کی بجائے اُن کا گلا گھونٹنے کے درپے ہو جائے اور اس طرح وہ پاک سرزمین جہاں اُس کے ارادوں کی تکمیل مقصود تھی وہ اس کے عزائم کا مدفن اور مرقدین جائے۔ ہم میں سے کون ابھی تک اس بات کو بھولا ہے کہ ہمارا ایک جداگانہ قومیت کا دعویٰ اور علٰحدہ مملکت کا مطالبہ کچھ اس وجہ سے نہ تھا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے ماسوا دیگر اقوام کے مقابلہ میں ہماری تعداد زیادہ تھی بلکہ ہمارے دعویٰ کی بنیاد صرف یہ تھی کہ متحدہ ہندوستان میں جو مخلوط حکومت قائم ہونے والی تھی وہ ان جماعتی تخیلات اور معاشرتی افکار سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتی تھی جن سے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہیولا تیار کیا گیا ہے۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ غیر مسلموں کے ہاں مذہب خدا اور بندوں کے درمیان محض ایک پرائیویٹ رشتہ ہے، اس لیے یہ لوگ اپنے ملکی اور سیاسی معاملات کو جس نہج پر بھی چلانا چاہیں، مذہب اُن کے راستے میں کسی طرح حائل نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے ہاں معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ ہم اپنی مذہبی زندگی اور اجتماعی زندگی کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں کھینچ سکتے کیونکہ مذہب جہاں ہماری انفرادی زندگی کا رہنما ہے، وہاں وہ ہماری سیاسی اور معاشرتی زندگی کا مبدأ اور اساس بھی ہے۔ ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن میں وہ صرف ایک عنصر کی حیثیت سے شامل نہیں ہوتا بلکہ وہی ان کا مدارِ اعلیٰ اور جوہرِ حیات ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے ہم مذہب کو اپنی اجتماعی زندگی سے خارج کر کے اپنی تہذیب کو باقی نہیں رکھ سکتے۔ ان وجوہ کی بنا پر ہمارے لیے یہ بالکل ناممکن ہے کہ ہم سیاسی مملکتی اور تمدنی امور میں مذہبی اندازِ فکر سے ہٹ کر کسی دوسرے طریقِ فکر کو قبول کریں یا اجتماعی زندگی کی کوئی ایسی شکل گوارا کریں جو ہمارے مذہبی تصورات سے بالکل مغائر ہو۔ یہ تخیل بالکل معقولیت پر مبنی تھا اور ہمارے دین کے تقاضے کے عین مطابق۔ اسی لیے پوری مسلم قوم اس کے گرد جمع ہو گئی۔ جب یہ آواز بلند ہوئی تو ساری ملت نے اسے اپنے دل کی آواز سمجھتے ہوئے اس پر لبیک کہا اور اس گوہر مراد کو حاصل کرنے کے لیے آگ اور خون کے سمندر میں کود پڑی اور اس وقت تک چین نہ لیا جب تک کہ ایک علٰحدہ اور آزاد مملکت حاصل نہ کر لی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہندوؤں اور کانگرس کے مقابلہ میں یہ دعویٰ پیش کرنے والے لوگ اس دعوے کے مقتضیات کو نہ صرف فراموش کر رہے ہیں، بلکہ اس بات کے لیے پوری طرح کوشاں ہیں کہ کسی طرح اس قوم کے دل و دماغ سے اس چیز کو نکال دیں کہ دین ہی اُن کی زندگی کی اصل بنیاد ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اپنے دعوے سے یہ انحراف پوری قوم کا انحراف ہے؟ کیا وہ قوم جو یہ نعرہ لے کر اٹھی تھی کہ ہمارا مذہب اور ہماری سیاست ایک ہے اور ہم اپنے مذہبی اندازِ فکر سے کسی شعبۂ حیات کو بھی خالی نہیں رکھ سکتے، اُس نے تجربہ کے بعد اب یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اُن کا یہ نعرہ سراسر باطل تھا؟ آپ اس معاملہ پر جتنا غور کریں گے، آپ کو معلوم ہو گا کہ پوری قوم کا موقف آج بھی وہی ہے جو اُس وقت تھا۔ وہ واقعی دین کو اور اس کے اصولوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد سمجھتی ہے اور اس بات کے لیے آرزومند ہے کہ اُس کی زندگی کے سارے شعبے اُس کے دین کی تحویل میں دے دیے جائیں۔ لیکن اُسے برسرِ اقتدار گروہ کی غلط کاریوں نے سخت مایوس کر دیا ہے۔ یہ مایوسی بالکل فطری ہے۔ جب ایک قوم کروڑوں انسانوں کے خون سے ایک کھیتی سیراب کرے تاکہ اس میں اسلام کا نخل ہرا بھرا ہو، وہ جب یہ دیکھے کہ عین اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کے خون سے سینچی ہوئی کیاریوں میں غیر اسلامی افکار و نظریات کی جھاڑیاں اگانے کی فکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جا رہی ہے تو اُس کے دل کو شدید صدمہ ہوتا ہے ۔ اتنا شدید کہ بسا اوقات پوری زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔

ان حالات میں اس قوم کی دستگیری کی تین صورتیں ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اسے اس امر کی ضمانت دی جائے کہ جو ملک اُس نے اسلام کے لیے لیا تھا وہ اسلام اور صرف اسلام کے لیے ہی وقف رہیگا اور اس میں اگر کچھ لوگ قوت کے بل بوتے پر غیر اسلامی حرکات کا ارتکاب کر رہے ہیں تو یہ محض عارضی اور اتفاقی حادثات ہیں۔ دوسرے اس امر کی پوری کوشش کی جائے کہ اس ملت کو ان لوگوں کے چنگل سے نجات دلائی جائے اور اُن کی جگہ اُن حضرات کو اقتدار کی باگیں سونپی جائیں، جو اقتدار کے اس راہوار کو منزل مقصود کی طرف پورے خلوص اور دیانتداری سے لے جائیں۔ اور تیسرے عوام کے اندر یہ احساس پیدا کیا جائے کہ جس دین کی خاطر انھوں نے بے پناہ قربانیاں دی ہیں وہ ان کے عملی تقاضوں کو بھی پورا کریں۔

یہ بات کسی فخر کی بنا پر نہیں بلکہ محض تحدیثِ نعمت کے طور پر کہی جا سکتی ہے کہ جماعت اسلامی ان تینوں مقاصد کے حصول کے لیے اوّل روز سے کوشاں رہی ہے۔ اُس نے عین اُس وقت جب یہاں کے صاحبِ اختیار لوگوں پر اقتدار کا نشہ بُری طرح مسلط تھا اور وہ اس بدمستی میں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اس ملک کے اندر وہ جو چاہیں کریں، کوئی ان کو روکنے والا نہیں، ان لوگوں کی غلط کاریوں پر انہیں ٹوکا۔ اس کے کارکنوں نے اپنی جان و مال سے یکسر بے پرواہ ہو کر یہ مطالبہ اٹھایا کہ سب سے پہلے اس ریاست کے مقصد کا تعین کیا جائے تاکہ لوگوں کو اس امر کا اطمینان ہو کہ جس سرزمین کو انھوں نے اسلام کے لیے حاصل کیا ہے وہ بہرحال اسی ایک مقصد کے لیے استعمال کی جائیگی۔ اس مطالبہ سے جس طرح اقتدار برہم ہوا اور جس طریق سے اُس نے اُس کو دبانے کی کوشش کی، یہ داستان بڑی شرمناک ہے، لیکن محض فضل ایزدی سے اس آواز نے ایک زبردست تحریک کی صورت اختیار کر لی، یہاں تک کہ اقتدار بھی اس بات پر مجبور ہوا کہ وہ اس مطالبہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ چنانچہ بڑے جبر و اکراہ کے ساتھ اسے اس چیز کا اعلان کرنا پڑا کہ اس مملکت کا نصب العین اسلام ہے، یہاں اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ لوگوں کی زندگیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو دینِ حق کے سانچے میں ڈھالا جائے، یہاں حکومت کے ذرائع و وسائل اُن بھلائیوں کو فروغ دینے میں صرف کیے جائیں گے جنہیں اسلام ترقی دینا چاہتا ہے، اور یہاں اُن برائیوں کا قلع قمع کیا جائے گا، جنہیں اسلام دنیا سے مٹانا چاہتا ہے۔

ریاست کے نصب العین کے تعین کے بعد اس بات کی قوی امید تھی کہ یہاں کا برسرِ اقتدار طبقہ اگر کچھ بھی اخلاص اور غیرت رکھتا ہے تو وہ یا تو اپنے نظریات و افکار کو ریاست کے مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریگا یا پھر اقتدار کے تخت سے ہٹ جائے گا۔ لیکن افسوس اس طبقہ نے ایک ایسی بددیانتی اور بے غیرتی کا ثبوت دیا ہے جس کی کسی معقول انسان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس نے نہ تو اپنے خیالات و احساسات بدلے نہ اختیار و اقتدار ہی کو چھوڑا، بلکہ قرار دادِ مقاصد کے اعلان کے بعد اس نے ایک طرف اس امر کی سرتوڑ کوشش کی کہ کسی طرح قوم کے اندر اسلام کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلا کر اُسے اس سے دُور کیا جائے اور دوسری طرف اس نے اسلام پسند عناصر پر پیہم وار کیے تاکہ وہ یا تو ہمت ہار کر بیٹھ جائیں یا وہ پھر اس ماحول میں بالکل اجنبی بن کر رہ جائیں، قوم کے اندر نہ اُن کا کوئی اثر باقی رہے اور نہ ان کا کوئی وزن محسوس کیا جائے۔ لیکن یہ محض خداوند تعالیٰ کا احسان تھا کہ یہ لوگ خود ایسے جھمیلوں میں گرفتار ہوئے کہ مسلمانوں کو دین اور دین کے خادموں سے برگشتہ کرنے کی بجائے خود اپنے آپ سے برگشتہ کر بیٹھے لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کے اعمال سے نہ صرف ان کی اپنی رسوائی ہوئی ہے بلکہ بیرونی دنیا میں پاکستان کے وقار کو سخت زک پہنچی ہے۔ ملک کے اندر ان کا یہ حال ہے کہ لوگ انہیں وہ سب سے بڑی لعنت سمجھتے ہیں جو انگریز یہاں سے جاتے وقت ان پر مسلط کرکے چلا گیا۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ اس حد تک مضطرب ہیں کہ ہر اُس صدا پر لبیک کہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جو انہیں اس سے رہائی دلائے۔ مشرقی پاکستان میں پچھلے انتخابات میں برسرِ اقتدار گروہ کا جو حشر ہوا وہ اس حقیقت کی پوری طرح غمازی کر رہا ہے۔

ان حالات میں ایک خادمِ دین جماعت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ برگشتہ اور پریشان حال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام کی صحیح صحیح رہنمائی کرے، ان کو ایک فاسد قیادت کی جگہ ایک صالح قیادت ابھارنے کے لیے تیار کرے، اور انہیں اسلامی نظام عملاً برپا کرنے کا راستہ دکھائے ——— یہی مقصد ہے جس کے لیے جماعت اسلامی نے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم یہاں ان عزائم کا تذکرہ کریں جو جماعت اپنے سامنے انتخابات میں کامیاب ہونے کی صورت میں رکھتی ہے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم دو ایک باتیں اُس کے اس فیصلہ کے بارے میں بھی کہہ دیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہمارا یہ فیصلہ کوئی نیا فیصلہ نہیں ہے جو یکایک ہم نے سیاسی طالع آزماؤں کی طرح حالات کا رُخ موافق دیکھ کر کر لیا ہو بلکہ ہمارا یہ فیصلہ اوّل روز سے یہی تھا۔ ہم اسی ارادہ اور عزم کے ساتھ اُٹھے ہیں کہ دنیا کی زمام کار فسّاق و فجّار کے ہاتھوں سے نکال کر مومنین صالحین کے ہاتھ میں دے دیں۔ چنانچہ امیر جماعت نے ۱۹۴۵ء کے سالانہ اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے بڑے واشگاف الفاظ میں کہا تھا:

"ہماری جدوجہد کا آخری مقصود انقلابِ امامت ہے، یعنی دنیا میں ہم جس انتہائی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ فسّاق و فجّار کی امامت و قیادت ختم ہو کر امامتِ صالحہ کا نظام قائم ہو اور اس سعی و جہد کو ہم رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں ...... در اصل فسّاق و فجّار کی قیادت ہی نوعِ انسانی کے مصائب کی جڑ ہے اور انسانی بھلائی کا سارا انحصار صرف اس پر ہے کہ دنیا کی سربراہ کاری صالح لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔"

"انسانی معاملات کے بناؤ اور بگاڑ کا آخری فیصلہ جس مسئلے پر منحصر ہے وہ یہ سوال ہے کہ معاملات انسانی کی زمام کار کس کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح گاڑی ہمیشہ اس سمت میں چلا کرتی ہے جس میں ڈرائیور اس کو لے جانا چاہتا ہے اور وہ دوسرے لوگ جو گاڑی میں بیٹھے ہوں خواستہ و ناخواستہ اسی سمت میں جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں جدھر گاڑی جا رہی ہو، اسی طرح انسانی تمدن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی گاڑی بھی اسی سمت پر سفر کرتی ہے جس سمت وہ لوگ جانا چاہتے ہیں جن کے ہاتھ میں تمدن کی باگیں ہوتی ہیں۔ظاہر ہے کہ زمین کے سارے ذرائع جن کے قابو میں ہوں، قوت و اقتدار جن کے ہاتھ میں ہو، عام انسانوں کی زندگی جن کے دامن سے وابستہ ہو، خیالات و افکار اور نظریات کو بنانے اور ڈھالنے کے وسائل جن کے قبضے میں ہوں، انفرادی سیرتوں کی تعمیر و اجتماعی نظام کی تشکیل اور اخلاقی قدروں کی تعیین جن کے اختیار میں ہو، ان کی رہنمائی و فرمانروائی کے تحت بستے ہوئے انسانیت بحیثیت مجموعی اُس راہ پر چلنے سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتی جس پر وہ اسے چلانا چاہتے ہوں یہ رہنما و فرماں روا اگر خدا پرست اور صالح لوگ ہوں تو لا محالہ زندگی کا سارا نظام خدا پرستی اور خیر و صلاح پر چلے گا، برے لوگ بھی اچھے بننے پر مجبور ہوں گے، بھلائیوں کو نشو و نما ہوگا اور برائیاں اگر مٹیں گی نہیں تو پروان بھی نہ چڑھ سکیں گی۔لیکن اگر رہنمائی و قیادت اور فرمانروائی کا یہ اقتدار اُن لوگوں کے ہاتھوں میں ہو جو خدا سے برگشتہ اور فسق و فجور میں سرگشتہ ہوں تو آپ سے آپ سارا نظام زندگی خدا سے بغاوت اور ظلم و بد اخلاقی پر چلے گا۔خیالات و نظریات، علوم و آداب، سیاست و معیشت، تہذیب و معاشرت، اخلاق و معاملات، عدل و قانون، سب کے سب بحیثیت مجموعی بگڑ جائیں گے۔برائیاں نشو و نما پائیں گی اور بھلائیوں کو زمین اپنے اندر جگہ دینے سے اور پانی ان کو غذا دینے سے انکار کر دیں گے اور خدا کی زمین ظلم و جور سے لبریز ہو کر رہے گی۔ایسے نظام میں برائی کی راہ چلنا آسان اور بھلائی کی راہ چلنا کیا معنی اس پر قائم رہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے[1]۔"

اقتباس ذرا طویل ہو گیا ہے لیکن اس کو درج کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہماری اس انتخابی پالیسی کو جو حضرات ہمارے مقصد اور نصب العین سے انحراف سمجھتے ہیں، وہ اسے غور سے پڑھیں اور دیکھیں، کیا انقلاب قیادت اوّل روز ہی سے ہمارا مقصد نہ تھا۔زمام کار کی تبدیلی کوئی ایسی چیز نہیں جس کا ذکر کہیں کہیں مبہم الفاظ میں ہماری تحریر و تقریر میں موجود ہو بلکہ یہ وہ کام ہے

---

[1] تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسے ہم صراحت کے ساتھ شروع ہی سے بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔

اسی ضمن میں دوسری چیز، جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بسا اوقات ایک بہت بڑی غلط فہمی ہو جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم کوئی اس دعوے کے ساتھ انتخابات میں حصہ نہیں لے رہے ہیں کہ اس میں کامیاب ہوتے ہی ایک مثالی اسلامی ریاست معرضِ وجود میں آجائے گی۔ یا دوسرے لفظوں میں ہم کسی سحر کے زور سے آن کی آن میں اس بگڑی ہوئی سوسائٹی کو اسلامی معاشرے میں ڈھال دیں گے۔ اس قسم کے خیالات بعض لوگ ناسمجھی یا عدمِ واقفیت کی بنا پر ہماری طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر ہمیں خود ہی سمجھانا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو جب تک لوگوں کی سیرت و کردار کو اسلام کے مطابق ڈھالا نہ جائے اس وقت تک ایک صحیح اسلامی ریاست کا خواب محض حکایت تشنہ و سراب ہے۔ ہم اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگوں کی خدمت میں بصد احترام یہ عرض کریں گے کہ حضرات نہ ہمارا وہ موقف ہے جس پر آپ ہمیں کھڑا کر رہے ہیں اور نہ ہمارا وہ دعویٰ ہے جو ہماری طرف منسوب کیا جا رہا ہے۔ اس لیے آپ کو ہمارے مستقبل کے بارے میں جو خدشات نظر آرہے ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ ہم سادہ اور واضح الفاظ میں جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے: ریاست اور اس کے اسباب و وسائل لوگوں کے افکار و نظریات، اور سیرت و کردار کو کسی خاص سانچے میں ڈھالنے کے لیے ایک بہت بڑی قوت اور طاقت رکھتے ہیں۔ اس طاقت کو مخالفِ دین عناصر کے ہاتھ میں چھوڑنے کے بجائے ایسے ہاتھوں میں منتقل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو اسے اسلامی معاشرے کی تعمیر میں استعمال کر سکتے ہوں۔ یہ کوشش جتنی جتنی کامیاب ہوتی جائے گی تعلیم، نشر و اشاعت، قانون، نظم و نسق، معاشی نظام، اور دوسرے تمام طاقتور وسائل کو اتنا ہی زیادہ نظامِ زندگی کی تبدیلی اور معاشرے کی تعمیرِ جدید میں استعمال کیا جا سکے گا، اور اس طرح اصل نصب العین تک پہنچنے کی راہ زیادہ سے زیادہ ہموار ہوتی جائے گی۔ یہ بات ہم بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ جب تک عوام صحیح معنوں میں مسلمان نہیں بنتے اسلامی حکومت کا قیام محض ایک خواب ہے۔ لیکن ہم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ خود عوام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مسلمان بننے ہی میں سب سے بڑی رکاوٹ غیر اسلامی حکومت ہے۔ اور ان کو مسلمان بنانے کے لیے ہی ان وسائل و ذرائع اور طاقتوں پر قبضہ ضروری ہے جن پر آج عصرِ حاضر کی سیکولر ریاست مسلط ہو چکی ہے۔ یہ نکتہ آخر کیوں لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔

ہمارے نزدیک یہ بھی بڑی غیر دانشمندانہ روش ہے کہ عوام تو ظلم و استبداد کے ہاتھوں ستائے جا رہے ہوں، اپنی بے شمار قربانیوں کو رائگاں دیکھ دیکھ کر وہ سراپا نالہ و فریاد بنے ہوئے ہوں، اور ہم محض تماشائی بن کر یہاں زندگی گزارتے چلے جائیں۔ ہمارا دعوے ہے کہ یہاں کے عوام میں اسلام کے لیے بڑی محبت و عقیدت ہے۔ وہ دینِ حق کے لیے آج بھی بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے ہیں۔ وہ اگر بے عمل ہیں تو اس کے چند وجوہ ہیں۔ ہم اپنی قوم کو اس قدر نادان اور بیوقوف نہیں سمجھتے کہ وہ محض بدیشی آقاؤں کی جگہ دیسی آقاؤں کو اقتدار کی مسند پر متمکن کرنے کے لیے جان و مال اور عزت و آبرو کی اتنی عظیم قربانی دینے پر تیار ہو گئی تھی۔ ہم دیانتداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں کا برسرِ اقتدار طبقہ اس مظلوم قوم کے ساتھ بڑا شرمناک کھیل کھیلتا رہا ہے۔ وہ اسے بھیڑ بکریوں کا ایک بالکل بے زبان گلہ سمجھتا رہا ہے، جو صرف اُس کے فائدے کے لیے دنیا میں پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کے اس کھیل سے یہ قوم سخت بیزار ہو چکی ہے۔ اس حالت میں ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اپنی قوم کے لوگوں کو اس ذلت آمیز زندگی سے نجات دلوائیں، اُن کی گردن سے جور و جفا کے قلادوں کو اُتاریں اور ایک ایسا ماحول تیار کریں جو ان کی توقعات اور آرزوؤں کی تعبیر ہو۔

ہو سکتا ہے کہ ہمارے خلاف پراپیگنڈا کا جو طوفان وقتاً فوقتاً اٹھایا جاتا ہے، اس کا اثر دور ہونے میں ابھی کچھ دیر لگے، اور ساری قوم ایک ہی مرحلے میں اس طلسم فریب سے آزاد نہ ہو جو برسرِ اقتدار لوگوں نے اس کے گرد باندھ رکھا ہے۔ لیکن ہمیں اس معاملہ میں پورا یقین ہے کہ ہماری قوم کی عظیم اکثریت اسلام کے معاملہ میں مخلص ہے۔ اس لیے جب بھی اسے اس بات کا شرحِ صدر حاصل ہو جائے گا کہ اسلام کی طرف واقعی یہ ایک مخلصانہ قدم ہے اُس وقت وہ پروانہ وار آگے بڑھے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر دنیا کا کوئی مکر و فریب اُسے اس راستہ سے ہٹا نہیں سکے گا۔

یہ ہیں وہ حالات اور توقعات جن کے ساتھ ہم انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں۔ ہمارے اس فیصلہ کا محرک نہ تو ہوسِ اقتدار ہے اور نہ جاہ و منصب کی خواہش۔ ہمارے اس فیصلہ کا محرک صرف فرض کی پکار ہے۔ اس پکار پر لبیک کہنے والوں کی طبیعت کا شروع ہی سے یہ خاصا رہا ہے کہ وہ ہمیشہ مادی اسباب و وسائل سے بے نیاز اور نتائج سے یکسر بے پروا ہوتے ہیں۔ جو انسان فرض کی بجا آوری میں آگے بڑھے، اسے بھلا اس بات کی کیا فکر ہو سکتی ہے کہ وہ کامیاب ہوا ہے یا ناکام۔ اُس کی کامیابی کا راز تو اسی میں مضمر ہے کہ اُس نے ایک صحیح نصب العین کے حصول کے لیے جد و جہد کی۔ باقی رہے نتائج تو ان کا معاملہ اُسی ذات کے ہاتھ میں ہے جو ہم سب کی خالق، مالک اور آقا ہے اور جس کے قبضہ و اختیار میں دنیا کے سارے وسائل ہیں۔ اُس کے فیصلے ہمارے لیے ہر حال میں صحیح اور درست ہیں اور ہم اس کی رضا پر ہر صورت میں قانع ہوں گے۔

ان ابتدائی گزارشات کے بعد آیئے ایک نظر اُس انتخابی منشور پر بھی ڈال لیں جو جماعت کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس منشور کے معاملہ میں چند باتیں قابلِ غور ہیں۔

اس صدی میں غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ کسی اسلامی جماعت نے، جو اسلامی نظام برپا کرنے کا داعیہ رکھتی ہو، جدید ریاست کے تقاضوں کے پس منظر میں اسلام کے نفاذ کی ایک معین صورت سامنے رکھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں پچھلی صدی کے نصف کے بعد سے مسلمانوں کے اندر یہ احساس پوری شدت سے اُبھر رہا ہے کہ اُن کی تباہی اور بربادی کا واحد سبب اسلام سے رُوگردانی ہے، اگر وہ دنیا میں باعزت طور پر رہنے اور آخرت میں نجات کے طالب ہیں، تو پھر اُن کے لیے اس کے سوا کوئی دوسری شکل ممکن نہیں کہ وہ اسلام کو اپنی زندگی کا رہنما اصول بنائیں۔ اس وجہ سے اب پچھلے چند سالوں سے جہاں ایک طرف اسلام سے مسلمانوں کا لگاؤ اور دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے وہاں دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف ایک ایسا لٹریچر بھی سرعت کے ساتھ معرضِ وجود میں آرہا ہے جو اسلام کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض کتابیں بڑی ہی عمدہ اور مفید سامنے آئی ہیں۔ لیکن اگر آپ سارے علمی سرمایہ کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں زیادہ زور نظریاتی امور کی تشریح پر دیا گیا ہے اور عہدِ حاضر کے جن عملی تقتضیات سے ایک مسلمان کو سابقہ پیش آتا ہے یا آسکتا ہے اُس سے بہت کم بحث کی جاتی ہے۔ اس منشور میں ہر قاری اسلامی نظریات و افکار کی عملی تعبیر کا ایک ہلکا سا نقش دیکھ سکتا ہے۔

اسی سلسلہ کی دوسری چیز جس کی طرف ہم پچھلے صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں، اور جس کو ہم اس کی اہمیت کے پیشِ نظر پھر دہراتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ منشور کسی مثالی اسلامی ریاست کا منشور نہیں ہے۔ ہمارے اپنے رفقاء اور ہمارے فاضل ناقدین اس کا جائزہ لیتے ہوئے اس بڑی حقیقت کو نظرانداز نہ کریں کہ یہ منشور ایک ایسے ملک میں پیش کیا جارہا ہے جس کا سارا نظام اب تک عملاً سیکولر بنیادوں پر چلایا جاتا رہا ہے، اور اب اس چلتی ہوئی گاڑی کو اسلامی نظام کی طرف موڑنا ہمارے پیشِ نظر ہے۔ لہٰذا اس منشور کو اس نگاہ سے دیکھنا چاہیے کہ ایک سراسر غیر اسلامی ماحول میں اسلامی نظام کا آغاز کس طرح کیا جائے گا۔ جو ملک دو سو سال سے غیر ملکی سامراج کا غلام چلا آرہا تھا، جہاں مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کے سارے آثار کو ایک سلگے بندھے منصوبے کے تحت مٹانے کی کوششیں کی گئی ہیں، جہاں مسلمانوں کے رگ و پے میں غیر اسلامی افکار و تصورات اتارے گئے ہیں، جہاں پورے نظامِ حیات کو کافرانہ طریقوں پر قائم کر دیا گیا ہے، وہاں اگر تبدیلی کے مواقع خداوند تعالیٰ عطا کر دے تو ہم اس بہتے ہوئے دھارے کے رُخ کو بدلنے کے لیے کیا کچھ اقدام کریں گے۔ اس لیے یہ اسلامی ریاست کا آخری نقشہ نہیں بلکہ بالکل ابتدائی خاکہ ہے۔ یہ اس نصب العین کی طرف صرف پہلا قدم ہے۔ چنانچہ اس کو آئیڈیل اور حکمتِ عملی کے درمیان صحیح توازن کے تحت تشکیل دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس منشور کا تیسرا اہم پہلو اس کی ہمہ گیری ہے۔ ہم اس بات کا پورا یقین رکھتے ہیں کہ صحیح اسلامی نظام صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جبکہ انقلاب ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہو۔ چند سطحی اور اوپری تبدیلیاں کر لینے سے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر اس منشور میں حیاتِ انسانی کے سارے شعبوں پر — خواہ ان کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہو یا انفرادی زندگی سے — کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں اگر ایک طرف خارجہ پالیسی کو حق و انصاف پر، معیشت کو عدل و مواسات پر، سیاست کو دیانت و امانت پر استوار کرنے کے عزم کا اظہار ہے تو دوسری طرف انفرادی زندگی کے لیے بھی تعلیم و تربیت کا ایک عمدہ پروگرام موجود ہے جس سے مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلامی تعلیمات کے بارے میں سلجھاؤ، طبائع میں سلامت، مزاج میں اعتدال، سیرت میں مضبوطی اور اخلاق میں پاکیزگی پیدا ہو۔ ہم اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوئی اسلامی نظام اس وقت تک صحیح معنوں میں قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی پشت پر خدا ترس انسانوں کی ایک منظم طاقت موجود نہ ہو۔

منشور کی اس ہمہ گیری کو دیکھ کر ممکن ہے بعض انسانوں میں یہ احساس پیدا ہو کہ اصلاح و ترقی کا یہ پروگرام بڑا بوجھل ہے۔ اس معاملے میں اُن کے خدشات کو بالکل غلط نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس ضمن میں ہماری گزارش یہ ہے ہم نے یہ چیز اسلام کے منشا کے عین مطابق کی ہے۔ اسلام نے حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں کو باہم ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کیا ہے کہ اگر ہم ان کو الگ الگ کرنے کی غلطی کر بیٹھے تو ہم ساری تعلیماتِ الٰہی کا حلیہ بگاڑنے کے مرتکب ہوں گے۔ اس لیے یہ ناگزیر ہے کہ ہم اسلامی نظام کی طرف اگرچہ پیش قدمی تو نہایت آہستہ آہستہ کریں مگر اس میں سارے شعبے ایک دوسرے کے ہم عناں اور ہم رکاب ہوں۔

آئیے اب ہم یہ دیکھیں کہ اس منشور میں تبدیلیوں کی نوعیت کیا ہے:

سب سے پہلی تبدیلی مملکت کے مقصد کی تبدیلی ہے۔ اس منشور میں یہ چیز بصراحت موجود ہے کہ مملکت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصود بالذات نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا انسانی ادارہ ہے جو انسانوں کی خدمت کے لیے وجود میں آیا ہے اور جس کی غایت نہ صرف ملک کو اندرونی خلفشار اور بیرونی خطرات سے بچانا ہے بلکہ ان بھلائیوں کو فروغ دینا بھی ہے جنہیں اسلام دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اور اُن برائیوں کو مٹانا ہے جنہیں اسلام اس دنیا سے ناپید کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے یہ مملکت محض اختیاری اور مجازی طور پر مقتدر رہے ہے۔ اس میں کوئی الوہیت کی شان نہیں پائی جاتی۔

اس مملکت میں امر و اقتدار سوائے خدا کے کسی کو حاصل نہیں جو ازلی و ابدی اور واجب الذات ہے انسانوں کو اگر اقتدار حاصل ہوا ہے تو یہ محض وہ امانت ہے جو انہیں تفویض کی گئی ہے۔ اس بنا پر برسرِ اقتدار گروہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی کبریائی کے ٹھاٹھ جتاتا پھرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اسلامی اخلاقیات کے مشہور اصول "سید القوم خادمھم" کے مطابق ملک کے انتظام کو چلائے۔ مملکتی قانون اس وقت تک قابل احترام ہے جب تک کہ وہ حق کے موافق ہے۔ حق قانون سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ قانون حق پر مبنی ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی عین مرضی ہے۔

اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری سمجھا گیا ہے کہ ہم غیر ملکی تسلط سے یکسر آزاد ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس مقصد کے حصول کے لیے صرف ایک غیر جانبدارانہ روش اختیار کر لینا ہمارے مسئلہ کا حل ہے۔ ہمارے نزدیک یہ طرزِ عمل ہماری مشکلات کا حل نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آج کل کے بین الاقوامی حالات میں ہمارے لیے اس پالیسی پر قائم رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ قریب قریب محال ہے۔ دوسرے شاہد علی الناس کی حیثیت سے ہماری ملت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم دنیا کے ہر معاملہ میں حق کی شہادت دیں۔ مسلمان رہتے ہوئے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنی آنکھوں کے سامنے جبر و استبداد، ظلم اور زیادتی دیکھیں مگر کسی مصلحت پرستی کے تحت جور و جفا پر چپ سادھ رکھیں۔ یہ غرض پرستانہ شانِ بے نیازی ایک ایسی قوم تو اختیار کر سکتی ہے جسے حق سے زیادہ دنیاوی مال و متاع عزیز ہو لیکن یہ طرزِ عمل اس قوم کو زیب نہیں دیتا جو پوری دنیا میں عدل و انصاف کی حکمرانی اور فرمانروائی قائم کرنے کے لیے اٹھی ہو۔ ہم اپنے ایمان کے تقاضوں سے مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہوں گے اگر ہم کسی دنیاوی لالچ کے تحت عافیت اور غیر جانبداری کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساحل پر کھڑے ہو کر بین الاقوامی سیاست کے اتھاہ سمندر میں استعمار پسندوں کی سفاکیوں اور زبردست آزاریوں کو خاموشی سے دیکھتے رہیں اور مظلوموں کو بچانے کے لیے کوئی عملی قدم نہ اٹھائیں۔ چنانچہ اس منشور میں ہم نے بڑے واضح الفاظ میں اس عزم کا اظہار بھی کیا ہے کہ اگر ہم پر ہماری قوم نے اعتماد کرتے ہوئے ہمیں ملک کی عنانِ اقتدار دے دی تو ہم سامراجیت کے خلاف — وہ سفید ہو یا سرخ، ایشیائی ہو یا مغربی — صف آرا ہوں گے اور ہر ممکن طریق سے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے اور ان اقوام کی حمایت کریں گے جن پر استعمار کے دیوِ استبداد نے صدیوں سے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔

جہاں تک دستوری اور قانونی اصلاحات کا تعلق ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ موجودہ دستور میں اسلام سے نکلنے کے جتنے چور دروازے رکھے گئے ہیں انہیں بالکل بند کر دیا جائے۔ بدقسمتی سے اس ملک میں ابھی تک ایک شرارت پسند گروہ اس گھات میں بیٹھا ہے کہ کسی طرح دستور میں اسلام کے متعلق جو دفعات ہیں اُن کو نکال دیا جائے یا اگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو تو پھر اُن کی کوئی ایسی تعبیر کر دی جائے جو اُن کے ملحدانہ نظریات سے ہم آہنگ ہو۔ اسی سلسلہ کی ایک چیز خدا کی حاکمیت ہے۔ اس دستور میں اگرچہ یہ تو طے کر دیا گیا ہے کہ حاکمیت اللہ کی ہے لیکن یہ فتنہ جُو لوگ اس سے یہ استدلال کر رہے ہیں کہ چونکہ اس حکومت کو انسان ہی چلائیں گے اس لیے حکومت درحقیقت انسانوں ہی کی ہوگی اور وہ جس طرز پر بھی حکومت چلائیں، وہ خدا ہی کی حکومت کہلائے گی۔ ہمارے نزدیک خدائی حکومت کی یہ تشریح نہ صرف غلط بلکہ بڑی گمراہ کن ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو ہم موجودہ دستور میں جتنے رخنے ہیں انہیں بند کر دیں گے تاکہ کوئی فتنہ ساز نہ تو اس کی من مانی تاویلیں کر سکے اور نہ اہلِ غرض اس کو ہر قسم کے معنی پہنا سکیں۔ اس ضمن میں پہلی تبدیلی ہم یہ چاہتے ہیں کہ دستور میں اس امر کی بالکل غیر مبہم الفاظ میں وضاحت کر دی جائے کہ قرآن و سنت دونوں ملکی قانون کے اوّلین ماخذ ہوں گے۔ اللہ کی حاکمیت ہماری عملی زندگی میں اس وقت تک مؤثر نہیں ہو سکتی جب تک اس کی تکوینی حاکمیت کے ساتھ اس کی تشریعی حاکمیت کو بھی تسلیم نہ کیا جائے اور خدا کی تشریعی حاکمیت کے آخری مظہر چونکہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے ضروری ہے کہ حضورؐ ہی کو زندگی کے ہر شعبے میں واجب الاطاعت ہادی مانا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم اس چیز کا بھی عزم بالجزم رکھتے ہیں کہ اُس عظیم فتنہ کے بارے میں، جس نے پچھلے پچاس ساٹھ سالوں میں مسلمانانِ ہند و پاک کی وحدت کو شدید نقصان پہنچایا ہے، ایک قطعی اور حتمی فیصلہ کر دیا جائے۔ اسلامی ریاست کا قیام، کسی دوسری اصولی ریاست کے قیام کی طرح، ایک ایسی منظم سوسائٹی کے وجود کا متقاضی ہے، جس کے افراد نہ صرف چند مشترک اقدار کے علمبردار ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے متحد ہوں بلکہ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سوسائٹی بعض اصولوں کی بنا پر دوسرے معاشروں سے ممیز بھی ہو۔ اسلام نے نسل، زبان اور رنگ کی ہم آہنگی سے قوم کے مختلف افراد میں وحدت و اتحاد پیدا کرنے میں مدد نہیں لی، بلکہ اس کے برعکس ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت سے یہ کام لیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُس نے اس امت کو دوسری امتوں سے الگ کرنے کے لیے بھی وطنیت کی دیواریں چننے کی بجائے نبوت کی حدبندی کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ توحید اور رسالت ہی نے مسلمانوں کے مختلف اجزا کو جوڑا ہے۔ انہیں سے ہمیں ایک ایسی قوتِ رابطہ و ضابطہ میسر آئی ہے جس نے اجسام کے تعدد اور نفوس کی کثرت کے باوجود ہمیں ایک جگہ جمع کر دیا ہے مگر جس جذبہ نے ہمیں دوسری قوموں سے الگ ہونے کا شعور بخشا ہے، ہمیں ایک علٰحدہ امت کی تشکیل پر ابھارا ہے، ہمارے اندر یہ احساس پیدا کیا ہے کہ ہم اپنا ایک مستقل وجود رکھتے ہیں، وہ عقیدہ ختم نبوت ہی ہے۔ ہماری یہ وہ سرحد ہے جس کی حفاظت اور پاسبانی ہمارا سب سے اہم فرض ہے۔ اس معاملے میں کسی غفلت کو ہم اپنے قومی بقا کے لیے بے حد مہلک اور خطرناک سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جس فتنہ کو انگریز نے ہماری ملی سرحدوں پر اپنے مخصوص مصالح کے تحت لا کھڑا کیا تھا، اس کے تدارک کی فکر کریں اور اس سے نمٹنے کی ہمارے نزدیک سب سے بہترین صورت یہی ہے کہ مرزا غلام احمد کے ماننے والوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

قانونی اصلاحات کے دائرہ میں ہم یہ بھی ارادہ رکھتے ہیں کہ مغربی سامراج نے اپنے استعمار کو قائم رکھنے کے لیے باشندگانِ ملک کی جن ناجائز اور ظالمانہ قوانین کے سہارے آزادیاں سلب کر رکھی تھیں، انہیں منسوخ کر دیا جائے۔

اسلامی نظام کے قیام کے لیے یہ چیز بھی اشد ضروری ہے کہ اس ملک میں معاشی استحصال اور لوٹ کھسوٹ کے سارے راستوں کو مسدود کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں ہماری پہلی کوشش ملک کے زرعی نظام کی اصلاح ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریزوں نے اپنے استعمار کے پنجے کو باشندگانِ ملک کے جسموں میں مضبوطی سے پیوست کرنے کے لیے اس جاگیردارانہ نظام کو جنم دیا، جو آکاس بیل کی طرح ہماری زراعت پر چھایا ہوا ہے اور اسے بالکل پروان نہیں چڑھنے دیتا۔ اس مسئلہ کا حل ہمارے لیے بڑا ہی اہم ہے لیکن ہم اس معاملہ کو محض جذباتیت یا خوش کن نعروں سے حل نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے حل کی ہمارے نزدیک یہی ایک صورت اصولاً صحیح اور فی الحال قابلِ عمل ہے کہ تمام ایسی زمینداریوں کے متعلق جو دو سو ایکڑ نہری و چاہی یا پانچ سو ایکڑ بارانی سے زیادہ رقبے کی ملکیت پر مشتمل ہوں تحقیقات کی جائے اور ان میں سے جو شریعت اسلامیہ کی رو سے ناجائز ہوں، اُن کا ایک معقول حصہ اُن کے مالکوں کو بطور کفالت دے کر باقی سب زمینوں کو بلا معاوضہ ضبط کر لیا جائے اور پھر انہیں اُن مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے جو فی الحال ان میں کاشت کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ جو زمینداریاں جائز ملکیت قرار پائیں انہیں بھی ایسے قوانین کا پابند بنایا جائے جن سے سماج کے سارے طبقوں میں عدل و انصاف قائم ہو اور کوئی گروہ دوسرے پر ظلم و ستم نہ کر سکے۔

ہم ملک کی صنعتی قوتوں کو بلا تاخیر پروان چڑھانے کے متمنی ہیں لیکن ہم یہ کسی صورت نہیں چاہتے کہ ایک مختصر سا طبقہ ناجائز مراعات لیکر اور غریب محنت کاروں کا خون چوس کر داد عیش دینا شروع کر دے۔ ہم اس بات کی ان شاء اللہ پوری کوشش کرینگے کہ صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ "بندۂ مزدور کے تلخ اوقات" بھی بہتر ہوں۔ اُسے نہ صرف دو وقت پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہو، بلکہ اُسے اور اُس کے اہل و عیال کو رہنے کے لیے مکان اور بیماری کی صورت میں علاج معالجہ کی سہولتیں بھی بہم پہنچیں۔ اُس کی حیثیت لوہے کی مشینوں کے مقابلے میں صرف مٹی کی ایک ادنیٰ سی مشین کی نہ ہو بلکہ اُس کے ساتھ ایک انسان کا سا سلوک کیا جائے اور کسی کارخانہ میں اپنی جوانی کھپا دینے کے بعد وہ اس بات کا حق رکھتا ہو کہ کارخانہ کے مالک سے اپنے بڑھاپے کے دن گزارنے کے لیے بھی ایک معقول رقم کا مطالبہ کر سکے۔

اصلاح کا کوئی پروگرام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا جب تک لوگوں کے فکر و نظر کے زاویوں کو تبدیل کرنے کا انتظام نہ کر لیا جائے اس لیے ہم اپنے تعلیمی نظام میں بھی کافی رد و بدل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ چیز بڑی نامعقول ہے کہ تعلیم کے دروازے صرف دولتمند طبقوں پر ہی کھلے ہوں اور غریبوں کو اس سے محروم کر دیا جائے۔ اس نظریہ کو ہم یکسر باطل سمجھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تعلیمی سہولتوں کو اس قدر عام کر دیا جائے کہ تعلیم کسی شہری کی دسترس سے باہر نہ رہے۔

ہم دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کی تقسیم کو بھی غلط سمجھتے ہیں اور ان شاء اللہ اس امر کی پوری کوشش کریں گے کہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں نظامِ تعلیم کی اس طرح سے اصلاح ہو کر یونیورسٹیاں اور دینی مدارس مل کر ایک ہی نظامِ تعلیم میں مدغم

© rasailojaraid.com